(۲۸)

مومن کو ہمیشہ یہ دیکھتے رہنا چاہیئے کہ اس کا کوئی بھائی ضروریاتِ زندگی سے محروم تو نہیں ہے

(فرمودہ ۷- ستمبر ۱۹۳۴ء - بمقام قادیان)

تشہّد ' تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

میں نے گزشتہ خطبہ میں جماعت کے دوستوں کو دُکانداروں کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی تھی میرے اس خطبہ کے نتیجہ میں مختلف محلوں کے عہدیداروں نے دکانداروں کا جائزہ لیا تو بعض جگہ باٹوں میں کمی دیکھی گئی جس کی اصلاح کی طرف انہیں توجہ دلائی گئی- بعض جگہ چیزیں ناقص دیکھی گئیں اور ان کے ازالہ کی تاکید کی گئی اسی طرح بعض جگہ یہ ثابت ہوا کہ مٹھائیوں والے خراب اور ناقص گھی استعمال کرتے ہیں اس عیب کو دور کرنے کیلئے بھی کارروائی کی گئی لیکن یہ کام ایک دن کا نہیں کہ اس کے بعد ہمیں توجہ کرنے کی ضرورت نہ ہو-

دُکانداروں میں دو قسم کے لوگ ہوا کرتے ہیں- ایک وہ جو سُستی اور غفلت سے خراب چیز مہیا کرتے ہیں اور دوسرے وہ جو بددیانتی سے خراب چیزیں دیتے ہیں لیکن نہ تو سُستی ایسی چیز ہے جو کسی کے ایک دفعہ کہنے سے دور ہوجائے اور نہ بددیانتی-ایک دفعہ کے توجہ دلانے سے دور ہوسکتی ہے اس لئے میں پھر کارکنوں کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں- درحقیقت بازار کا انتظام کرنا کوئی آسان بات نہیں ہوتی- جو لوگ سُست ہوں ان کی سُستی ایک دن میں دور نہیں ہوسکتی اور جو بددیانت ہوں ان کی دیانت ایک دن میں قائم نہیں ہوجاتی اس لئے تمام محلوں

کے عہدیداروں کو ایسے آدمی مقرر کرنے چاہئیں جو متواتر دکانوں کی نگرانی رکھیں لیکن اس کام کیلئے کسی دکاندار کو مقرر نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ یہ انتظامی اصول کے خلاف ہے کہ جن پیشہ وروں کی نگرانی کی ضرورت ہو ان پر اسی پیشے کا کوئی آدمی مقرر کیا جائے ایسے شخص کو یہ خدشہ رہتا ہے کہ اگر میں نے نقص بتائے تو میرے ہم پیشہ لوگ میرے مخالف ہوجائیں گے اور مجھے نقصان پہنچے گا- پس دکانداروں پر نگران کسی دکاندار کو مقرر نہ کیا جائے بلکہ اور لوگوں کے سپرد یہ ڈیوٹی کی جائے اور اس نگرانی پر مداومت اختیار کی جائے اور ایسے اصول مقرر کئے جائیں جن کے ماتحت تاجروں کی اصلاح ہوجائے- مثلاً اشیاء کے نرخ کا معاملہ ہے یہاں کے تاجروں کا یہ طریق ہے کہ جتنے نرخ پر ان کا جی چاہے اشیاء بیچتے ہیں حالانکہ اگر اس اصل کو تسلیم کرلیا جائے تو دنیامیں سوائے تباہی کے کچھ نہ رہے اور نظامِ عالَم درہم برہم ہوجائے- اسلام نے اپنی تعلیم میں اس اصل کو کبھی تسلیم نہیں کیا- لیکن چونکہ یہ تفصیلات بیان کرنے کا موقع نہیں اس لئے مختصر طور پر میں یہ بتادینا چاہتا ہوں کہ اسلام نےجواشیاءکی خریدوفروخت کے متعلق اصول بیان کیا ہے وہ یہ ہے کہ خریدوفروخت دونوں میں معقولیت پائی جانی چاہیئے- نہ دکاندار کانقصان ہو نہ خریدار کا- میں نے پچھلے دنوں ہی اس کا تجربہ کیا- مجھے اپنے بچوں کی شادی کے موقع پر کچھ مٹھائی کی ضرورت پیش آئی- ریٹ دریافت کئے گئے تو ہندوؤں نے جو ریٹ بتائے اس سے ڈیوڑھے ریٹ احمدی دُکانداروں نے بتائے اور وجہ یہ بتائی کہ ہم اچھا اور خالص گھی ڈالتے ہیں مگر لطیفہ یہ ہوا کہ جب میرے پچھلے خطبہ جمعہ کی بناء پر نگرانی کی گئی تو اسی دکاندار کا گھی جس نے کہا تھا کہ ہم خالص اور بہتر گھی مٹھائیوں میں استعمال کرتے ہیں ردّی اور ناقص پایاگیا- تو عدمِ نگرانی کی وجہ سے اس قسم کے نقص پیدا ہوجاتے ہیں- پھر یہی نہیں بلکہ بعض چیزوں کے ریٹ میں دُگنا فرق پایاگیا- یہ بھی ایسا نقص ہے جس کا ازالہ ہونا ضروری ہے-

پس عہدیداروں کو چاہیئے کہ وہ نہ صرف یہ دیکھا کریں کہ دکاندار عمدہ اور صاف ستھری چیزیں رکھیں جو صحت کیلئے کسی پہلو سے بھی مُضِرّ نہ ہوں بلکہ یہ بھی دیکھیں کہ بھاؤ کے لحاظ سے بھی گاہکوں کو نقصان نہ پہنچا کرے- مجھے ان چیزوں کے گراں خریدے جانے کا افسوس نہیں بلکہ افسوس اس امر کا ہے کہ اس کا اثر دیانت اور امانت پر پڑتا ہے- میں نے اگر پندرہ بیس سال میں بچوں کی شادی کے موقع پر پندرہ بیس روپے کی مٹھائی لے لی تو خواہ وہ

مجھے گراں ملی مجھ پر اس کا کیا اثر ہو سکتا ہے ایسا موقع روز روز تو نہیں آتا۔ مگر یہاں سوال اشیاء کی گرانی کا نہیں بلکہ قوم کی دیانت و امانت کا ہے۔ پس یہ دلیل کام نہیں دے سکتی کہ ہم نے کب روز روز ایسی اشیاء خریدنی ہیں کہ ہم اس کا دوسروں سے مقابلہ کریں۔ مگر یہاں سوال یہ ہے کہ بعض لوگوں کی دیانت کا پہلو کمزور ہو رہا ہے اور جب قوم کے بعض افراد کی دیانت کمزور ہو جائے تو دوسروں پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے اور وہ بھی خیانت کرنے لگ جاتے ہیں۔ پس میں امید کرتا ہوں کہ باقی کاموں کی طرح مقامی انجمنیں اس امر کی طرف بھی توجہ کریں گی۔

اس کے بعد میں ایک اور مضمون کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ جو نہایت ہی اہم اور اصولی موضوع ہے۔ اسلامی تعلیم پر غور کرنے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر فرد کی غذا قوم کے ذمہ ڈالتا ہے اور مسلمانوں پر فرض قرار دیتا ہے کہ وہ کسی مسلمان کو فاقہ سے نہ رہنے دیں۔ قرآن مجید سے اس کا پتہ چلتا ہے' احادیث سے اس کا پتہ چلتا ہے' صحابہؓ کے تعامل سے اس کا پتہ چلتا ہے پس ہر مومن کا فرض ہے کہ وہ دیکھے کہ اس کا کوئی بھائی ان ضروریاتِ زندگی سے تو محروم نہیں ہے جن کے بغیر حیات قائم نہیں رہتی اور اگر کسی شخص کے متعلق معلوم ہو کہ وہ اس قسم کی ضروریات زندگی سے محروم ہے تو دوسرے مسلمان اس کے ذمہ دار ہیں۔ میں ایک موٹی مثال دیتا ہوں جس سے یہ مسئلہ ہر شخص کی سمجھ میں آسکے گا اور وہ یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس لباس نہ ہو اور اس کی ایسی کمزور حالت ہو گئی ہو کہ وہ لنگوٹ بھی نہ رکھتا ہو اور ننگا بازار میں پھرنے لگے تو سب کو اس کی غربت اور فلاکت کا احساس ہو جائے گا اور وہ اسے کپڑے تیار کرکے دے دیں گے خواہ خود بھی انہیں تکلیف ہو حالانکہ لباس غذا سے ادنیٰ چیز ہے۔ لیکن ہمارے ہاں یہ نقص ہے کہ اگر کوئی ننگا پھرے تو اسے کپڑے بنادیں گے لیکن اگر فاقہ سے مرنے لگے اور کھانے کو کچھ میسر نہ ہو تو اس کی طرف بہت کم توجہ کریں گے حالانکہ مقدم چیز غذا ہے۔ غلطی سے بعض لوگ یہ خیال کرلیتے ہیں کہ غذا بہم پہنچانے کی ساری ذمہ داری لنگرخانہ پر ہے حالانکہ لنگرخانہ پر لوکل جماعت کا اتنا ہی حق ہے جتنا لاہور' گوجرانوالہ' سیالکوٹ' پشاور اور دوسرے شہروں کا۔ اگر ہم نے لاہور اور گوجرانوالہ میں اپنے آدمی مقرر کئے ہوئے ہیں جو وہاں کے بھوکوں کو کھانا کھلائیں تو یہاں کی جماعت کا بھی حق ہے کہ وہ اپنے بھوکوں کا لنگرخانہ پر بار ڈالے۔ اور اگر باہر کی جماعتیں اس رنگ میں لنگرخانہ

سے فائدہ نہیں اٹھاتیں تو مقامی جماعت کس طرح فائدہ اُٹھاسکتی ہے۔ جس طرح یہاں کے رہنے والے چندہ دیتے ہیں اسی طرح سیالکوٹ، پشاور اور دوسری جماعتیں بھی چندہ دیتی ہیں مگر کیا ان جماعتوں کے غرباء لنگرخانہ میں سے کھانا کھارہے ہیں کہ یہاں کے غرباء کا لنگرخانہ پر بار ڈالا جائے۔ بیرونی جماعتیں چندے بھی دیتی ہیں اور پھر اپنے مساکین کو کھانا بھی کھلاتی ہیں اسی طرح کوئی وجہ نہیں کہ جو فرض باہر والے ادا کررہے ہیں وہ یہاں والے ادا نہ کریں۔

پس یہاں کے لوگوں کو یہ امر ذہن نشین کرلینا چاہیئے کہ لنگرخانہ جماعت کے مہمانوں کیلئے ہے نہ کہ ذاتی مہمانوں یا مقامی غرباء کیلئے مگر عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ اگر کسی کے ہاں کوئی ذاتی مہمان بھی آتا ہے تو اس کا کھانا لنگرخانہ کے ذمہ ڈال دیا جاتا ہے۔ بعض دفعہ کسی کا سالا آجاتا ہے، خُسر آجاتا ہے، بھائی بہنیں یا بھانجے آئے ہوئے ہوتے ہیں مگر کھانا لنگر سے منگوایا جاتا ہے حالانکہ لنگرخانہ اُس کیلئے ہے جس کا یہاں کوئی رشتہ دار نہیں اور جو جماعت کا آکر مہمان بنتا ہے۔ پس جو رنگ یہاں کے بعض لوگوں نے اختیار کیا ہوا ہے وہ ایسا ہے کہ گویا وہ مہمان نوازی کے حکم پر تبر رکھنے والا ہے۔ مَیں نے کئی دفعہ بیان کیا ہے کہ بعض لوگ ایسے مخلص ہوتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم لنگر کی روٹی تبرک کے طور پر کھانا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا کبھی ایک وقت کیلئے کھانا منگوالینا کوئی معیوب امر نہیں بلکہ اس قسم کی خواہش کو پورا کرنا ثواب کا موجب بنتا ہے۔ میرے ایک قریبی عزیز ایک دفعہ آئے ہوئے تھے انہوں نے کہا میرے لئے لنگر سے روٹی منگوائی جائے۔ میں نے وجہ دریافت کی تو انہوں نے بتایا کہ آج میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لنگرخانہ کا کھانا تبرّکاً کھاؤں۔ تو بسا اوقات ایسے لوگ بھی تبرک کے طور پر لنگر سے دال روٹی منگوالیتے ہیں مگر یہ اور چیز ہے اسے ہم روک نہیں سکتے بلکہ ہمیں اس جذبہ کی قدر کرنی چاہیئے لیکن مستقل طور پر اگر لنگر پر اپنا بوجھ ڈالا جائے تو یہ بہت ہی اخلاق کے گرے ہونے کا ثبوت ہے۔ یہاں جس کا کوئی رشتہ دار نہ ہو اس نے تو لنگر سے ہی کھانا کھانا ہے مگر جس کے رشتہ دار ہوں اگر وہ بھی لنگر سے کھانا منگوائیں تو یہ درست نہیں ہوگا۔

ایسے لوگوں کی ذمہ داری درحقیقت ان کے رشتہ داروں اور عزیزوں پر عائد ہوتی ہے۔ میں نے کئی لوگوں کو دیکھا ہے وہ کہا کرتے ہیں ہمیں باہر بڑی تنگی تھی ایک شخص ہمیں ملا اور اس نے کہا تم ہجرت کرکے مرکز میں کیوں نہیں چلے جاتے۔ اس پر ہم ہجرت کرکے یہاں

آ گئے۔ مگر یہ ہجرت کا نہیں بلکہ مصیبت زدوں کا ایک ڈیرہ ہے۔ مہاجر تو اس لئے آتا ہے کہ وہ اپنی جان اور اپنا مال خدا کی راہ میں قربان کرے گا مگر یہ اس لئے یہاں آتا ہے کہ سلسلہ کے لوگ اپنی جان اور اپنا مال اس کیلئے قربان کریں۔ پس یہ ہجرت نہیں کہلاسکتی بلکہ مسکینی اور فقر ہے جس کو دور کرنے کیلئے وہ یہاں آجاتا ہے۔ مگر بہرحال جب وہ آگیا تو محلّہ والوں کا فرض ہوتا ہے کہ اس کا خیال رکھیں۔ میرے نزدیک ہر محلّہ کے عہدہ داروں کا یہ کام ہے کہ وہ اپنے اپنے محلّہ کے لوگوں کی نگرانی رکھیں اور دیکھیں کہ کوئی بھوکا تو نہیں۔ مثلاً ہوسکتا ہے کوئی بیوہ ہو جس کے کھانے کا کوئی انتظام نہ ہو، کوئی مسکین ہو جو بے سامان ہو۔ پس جب کسی ایسی بیوہ یا مسکین کا انہیں علم حاصل ہو جس کا بوجھ سلسلہ نہیں اٹھارہا تو ان کا فرض ہے کہ وہ محلّہ کے لوگوں کے کھانوں میں سے اسے کھانا مہیا کریں کیونکہ محلے میں کسی ایک شخص کا بھوکا رہنا بھی محلے والوں کی ناک کاٹ دیتا ہے۔ پس محلے والوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے اپنے محلوں کے بھوکوں کا انتظام کریں اور کوشش کریں کہ کسی محلے کا کوئی فرد رات کو بھوکا نہ سوئے اور اگر انہیں کسی بھوکے شخص کا علم ہو تو محلے والوں کا فرض ہے کہ وہ کھانا جمع کرکے اسے دیں اور چاہے آپ بھوکا رہنا پڑے اسے کِھلائیں کیونکہ اگر کھانا نہ ہو تو وہ زیادہ تکلیف دیا کرتا ہے لیکن اگر کھانا تو ہو مگر کسی غریب کو دے دیا جائے اور خود بھوکا رہا جائے تو اس سے کم تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ جس کے پاس کھانے کیلئے کوئی سامان نہ ہو اسے دو تکلیفیں ہوتی ہیں کھانا نہ ہونے کی بھی اور اپنی بے چارگی کی بھی۔ اور جس کے پاس ہو تو سہی مگر وہ کھائے نہیں اسے اتنی تسلی ضرور ہوتی ہے کہ میرے گھر میں سامان سب موجود ہے جب چاہوں گا کھالوں گا۔ جیسے روزوں کے دنوں میں ہم کھانا نہیں کھاتے مگر ہمارے دل کو تکلیف نہیں ہوتی کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ یہ تکلیف ہم نے خود اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے اپنے نفس پر وارد کی ہوئی ہے لیکن جس کے پاس کھانا نہ ہو اسے اپنی بیچارگی کا احساس بہت زیادہ تکلیف دیتا ہے۔

پس اگر کوئی شخص بھوکا ہو تو اسے اپنے کھانوں میں سے تھوڑا تھوڑا کھانا نکال کر دے دینا چاہیئے اس لئے خود بھی کوئی تکلیف نہیں ہوگی اور اسے بھی کھانا مل جائے گا۔ میں نے اکثر دیکھا ہے اگر انسان اپنی غذا میں کمی کردے تو تھوڑی پر ہی گزارا ہوجاتا ہے اور اگر زیادہ غذا کی عادت ڈال لے تو زیادہ کھائے بغیر چین نہیں آتا۔ دعوتوں کے موقع پر بعض ٹھونس ٹھونس

کر کھاتے ہیں اور بعض تھوڑا سا کھالیتے ہیں تو ان کا بھی گزارہ ہو جاتا ہے۔ پس یہ کوئی ایسی چیز نہیں جو لاعلاج ہو۔ جب تمام محلے والے اس ذمہ داری کو محسوس کرلیں کہ ان میں کوئی فاقہ زدہ نہ ہو تو پھران کا یہ بھی فرض ہوگا کہ وہ دیکھیں کہ ان کے محلّہ میں کوئی ایسا شخص تو نہیں جو کام تو کرسکتا ہے لیکن کرتا نہیں کیونکہ اگر ہم نکمّا بیٹھنے والوں کو کھانا دیتے چلے جائیں گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کئی نکمّے پیدا ہوجائیں گے۔ پس بیکار لوگوں کو کام کرنے پر مجبور کیا جائے تاکہ ان کی طاقتیں ضائع نہ ہوں اور وہ سلسلہ کیلئے بوجھ کا موجب نہ بنیں۔

(الفضل ۳۔ فروری ۱۹۶۰ء)